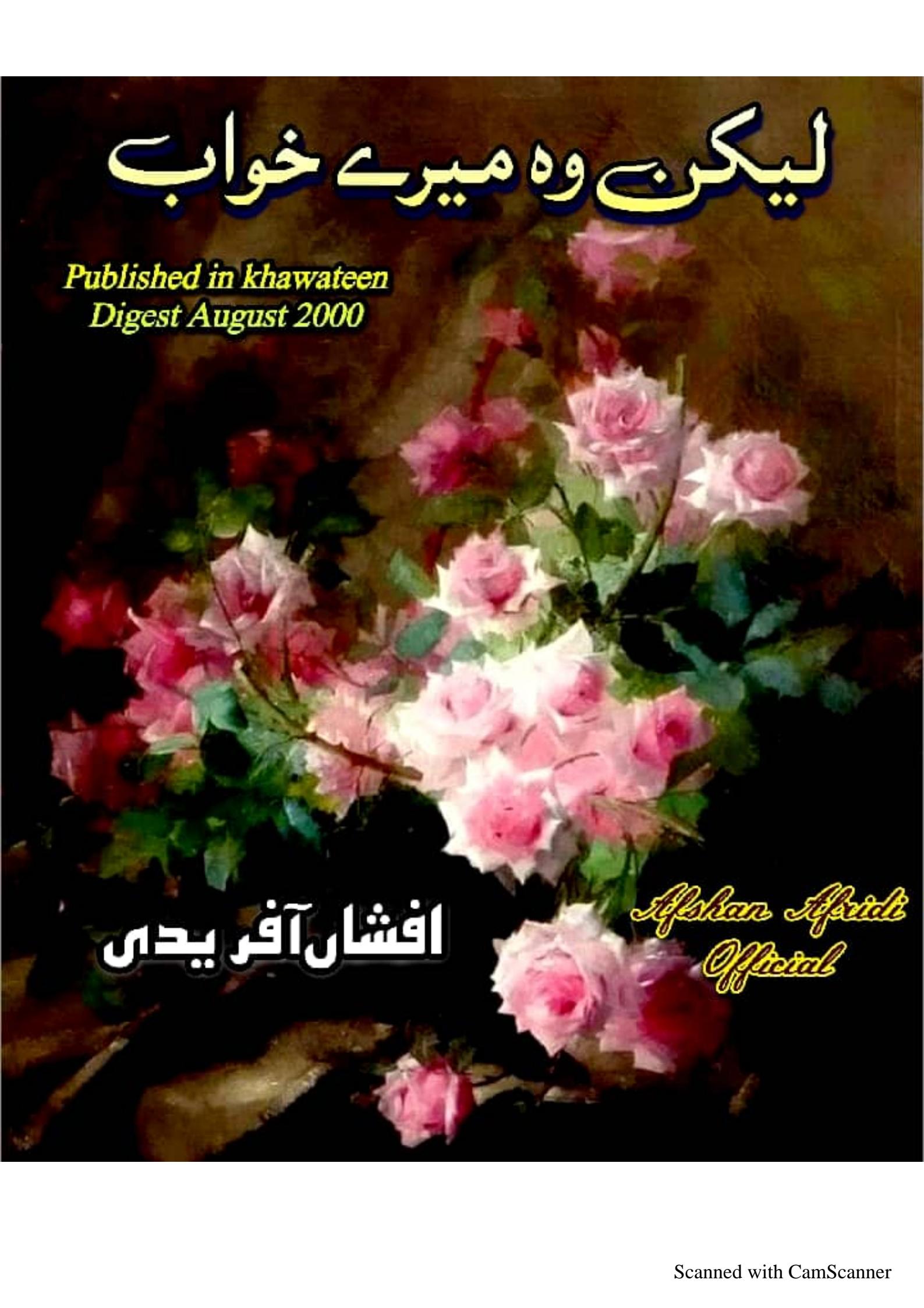


# لیکن وہ میرے خواب

Published in khawateen  
Digest August 2000

A large bouquet of flowers, including pink roses and white hydrangeas, is positioned in the center of the cover. The flowers are arranged in a dense, circular cluster. The background behind the flowers is dark and textured.

افشاں آفریدی

Afsan Afridi  
Official



معزِزِ ممبر ز مشہور مصنف افشاں آفسنریڈی  
کے ڈاکھبش میں نے آنے والے اور ماضی کے  
مزید ناولز جو کہ نیٹ پر بھی دستیاب نہیں،  
کلپر کوالٹی میں پڑھنے کے لئے ہمارا  
قیس بک آفیشل بک بچ

Afshan Afridi Official

جوائیں کجھے

سے ناول آپ کو کیسا لگا اپنی رائے ضرور دیں۔

<https://www.facebook.com/Afshan-Afridi-Official>

-103736765390335/



# لیکچر میں مطابقت

ان کا انداز مل اور جواب واضح تھا مرنے سرہلایا،  
باقی ساری طالبات بھی ————— ان کا لیکھ رئنے  
میں مھو تھیں۔

”ایسا کرنا ہر شخص کے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے ورنہ  
وہ خود کو سب سے الگ اور آنسو لیٹ (تہا) محسوس  
کرنے لگتا ہے اور اسی آنسو لیشن کو ختم کرنے کے  
لیے ہم مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس کی وجہ سے اکثر لوگ یونیورسٹیوں کے لیے ”مثبت  
راستہ“ اختیار کرتے ہیں اور بعض نگہنوں کے ”منفی  
راستہ“ اسی لیے کہتے ہیں کہ انسان اپنی صحبت سے  
پہچانا ہاتا ہے۔ جیسی کہنی ہو گئی ہی عادتیں پڑتی  
چلی جائیں گی مثال کے طور پر لڑکوں میں اسمونک  
سکریٹ پینے کا رجحان زیادہ تر کہنی پیش پر شر  
(دوسروں) کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور بھی بہت سی  
باتیں ہیں۔“

مسر زبان کا ٹھوس اور دلکش انداز جاری تھا۔  
مردانہ کا قلم تیزی سے صفحے پر حرکت کر رہا تھا۔

”اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مطابقت کن کن  
معاملات میں جائز ہے اور کن پچویشنز میں مضر اس کے  
لیے ہمیں کسی بھی فرد کی ذاتی زندگی کی مکمل اشٹی  
کرنی پڑے گی کیونکہ مذہب اور معاشرے کی موجودہ  
حد بندیوں سے ہٹ کر بھی بہت سے معاملات میں  
اس وصف کو استعمال کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی  
ہوتا ہے کہ حالات انسان کی خواہشات کے خلاف  
ہوتے ہیں اور جب وہ کسی بھی طور ان حالات کو  
ٹھکست نہیں دے پاتا تو اپنے گرد ایک خیالی دنیا بنالیتا

”مطابقت یعنی adaptation کا مطلب  
ہے اپنے اردو گروکے ماحول میں خود کو اس طرح ڈھال  
لیتا کہ کس طرح کی اجنیبیت یا فرق محسوس نہ ہو سکے۔  
یہ ایک طرح کا وصف ہے، کسی حد تک اس سے شخص  
کو فائدہ بھی پہنچ سکتا ہے اور بھی بھی نقصان بھی کہ  
بہر حال ذاتی شخصیت اس کوشش میں سخن بھی ہو سکتی  
ہے اور ایسی کئی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہوتی  
ہیں۔“

مسر زمان اپنے مخصوص انداز میں لیکھ دے رہی  
تھیں۔

”مگر میدم! مطابقت جیسے وصف کو اپنا مائے بغیر  
انسان respective سوسائٹی میں سروائیو  
بھی تو نہیں کر سکتا۔ سمندر میں رہتے ہوئے تیرپا تو پردا  
ہی سے نا۔ پھر اس سے گرین کمال تک ممکن ہے؟“  
اگلی نشست سے اٹھ کر مرلنے سوال کیا تھا۔ مسر

زمان سن کر دھنیتے سروں میں نہیں رہیں۔

”سمندر میں رہ کر تیرنا ایک ناگزیر ضرورت ہے  
جبکہ مطابقت بعض اوائلت بلا ضرورت بھی کی جاتی  
ہے۔ جیسے آپ میں بہت سی اسٹوڈیس ایسی ہوں گی  
جنہیں میوزک سے لگاؤ ہو گا، ان کے ساتھ بات  
کرتے ہوئے بالخصوص میوزک کا تذکرہ آپ کو بار بار  
سننے کو ملے گا ایسے میں آپ بھی یقیناً“ ان میں شامل  
ہونے کے لیے میوزک سے متعلق اپنی معلومات میں  
اضافہ کرنے کی کوشش کریں گی تاکہ ان سے الگ نہ  
لگیں۔ خواہ پر سنی آپ کا انٹرست ہو یا نہ ہو۔ لیکن  
آپ کو اپنے اندر میوزک سینس ڈیلپ کرنا پڑے گا  
اور یہی ہے ایڈیمیشن یعنی مطابقت پیدا کرنا۔“

ہونے لگی۔ جی میں آیا یہاں سے نکل کر بھاٹ جائے  
مگر دو منٹ رہ گئے تھے، صبر کے علاوہ چارہ بھی نہ تھا۔  
اس نے بیزاری سے نظر اٹھا کر دیکھا، مسز زمان کی  
منظور نظر مرانسائے حیات کھڑی کوئی سوال کر رہی تھی۔  
”ایے لوگ جو حالات سے فرار حاصل کرنے کے  
لیے اپنی شخصیت کو دیرے پن میں کھو دیتے ہیں ان  
کے اس فعل میں زیادہ قصور و ارکون سے عوامل ہوتے  
ہیں؟“  
مرانسائے کا سوال برا جامع نوعیت کا تھا۔ مسز زمان  
بھر پور دیکھی سے سن کر یوں۔

”ایے لوگوں کو حالات کے ساتھ ساتھ نامکمل  
خواہشات اور اوہ سوری توقعات ایسا کرنے پر مجبور کر  
دیتی ہیں۔ اگر انہیں ابتدا سے ہی ایک مکمل ماحول  
میسر آئے ان کی تربیت میں قناعت اور صبر پیدا کر کے  
لائق اور طمع نکالنے کی کوشش کی جائے تو اسی فیضہ تک  
ایسے کدار پیدا ہونے سے بچ سکتے ہیں مگر بد قسمی سے



کہنخنے لگتا ہے جو اس کی تصوراتی دنیا سے ذرا بھی میل  
کھاتی ہوں۔“

وہ میز پر دونوں ہاتھ نکائے بڑی توجہ سے طالبات کی  
طرف دیکھ رہی تھیں۔

پچھلی نشتوں میں بیٹھی ہادیہ اور شنا کی بے زاری کا  
اظہار کرتے چہرے بھی صاف نظر آ رہے تھے اور  
مرانسائے جیسی طالبات کی پرشوق صورتیں بھی مگر  
انہیں پیچھرے کے دوران رکنا گوارانہ تھا اس لیے تسلی  
سے کہتی رہیں۔

”ایے میں وہ شخص جب اس ماحول میں رہنے نے  
لگتا ہے تو پھر اس کی تمام اچھائیاں اور برائیاں خود میں  
پیدا کر کے خود کو اس ماحول کا حصہ بنایتا ہے۔ مگر ایسا  
کب تک چل سکتا ہے ایک وقت آتا ہے جب یہ  
سارا مسمرِ زم ثوث جاتا ہے، یہ وقفہ خواب شتم ہوتا  
ہے تو وہ اس بات کا لیقین ہی نہیں کر پاتا کہ وہ سب  
محض الوژن تھا۔ نظروں کا دھوکا تھا۔ اس ڈے  
ڈریمنگ (جاتی آنکھوں کے خواب) سے دل و دماغ  
میں انتشار پھیل جاتا ہے۔ جس کے باعث شخصیت  
میں بھی جھوٹ آ جاتا ہے ایسے لوگ زندگی کی  
مشکلات سے لڑنے میں پاتے جلد ہار جاتے ہیں۔“

”یار! اور کتنا وقت باقی ہے اس بورپیرید کا۔“

شانے کافی دیر بعد آنکھیں کھولی چھیں، اس پیرید  
میں وہ اپنی نیند پوری کرنے کی عادی بھی۔

”دو منٹ باقی ہیں، تم بیگ بند کر لو۔“ ہادیہ پکھ  
چونکہ کراس کی طرف مڑی تھی۔ گوکہ مسز زمان کے  
پیچھے اسے کوئی خاص دیکھی نہیں ہوتی تھی مگر آج  
جو ٹاپک زیر بحث تھا اس نے اسے تدرے متوجہ کر لیا  
تھا خصوصاً ”آخری حصے نے اسے سننے پر مجبور کر دیا  
تھا۔

”بیگ کیا، میں تو آنکھیں بھی بند کر چکی ہوں۔“  
شانے سے دہاتھ آگے آگے تھی۔ وہ منہ بنایا کر رہ گئی۔  
ایک لمحے کے لیے اس ماحول سے یکدم آلتاہٹ

کالج میں پڑھائی عروج پر تھی اور ساتھ ہی ہادیہ کی بے اعتدالیاں۔ مرانسائے تو اس کے ہاتھوں تنگ ہی تھی، فرشت ایر کا نیانچ بھی اس سے عاجز تھا۔

پتا نہیں اسے دوسروں کو ستار کیا ملتا تھا۔ کسی کو آزار پہنچا کر نجانے والے اپنے کسی جذبے کی تسکین کرتی تھی۔ باخصوص مرانسائے کی کم ماہیگی کے باعث اس کا تو اس نے ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ نئی آنے والی لڑکیاں بھی اس کے ہاتھوں پریشان تھیں۔ پر نسل تک کوئی یوں نہیں جاتا تھا کہ وہ تو خود اس کی رعشت دار تھیں۔ انہوں نے کون سا کام وہر نے تھی۔

یوں بھی اونچے گھر انہوں کی بُری ہوئی صابجزا یوں کو وہ یوں زرمی سے مجھاتیں کہ ان کی لصحت کسی شے سے کم نہیں لگتی تھی۔

نگار کاغذہ البتہ دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ آئے دن اس کی ہادیہ سے تلہم کلامی ہوتی رہتی تھی۔ ان ہی دنوں خالہ جان کے توسط سے اس کے لیے ایک رشتہ آگیا۔ لڑکا کھاتے میتے گھر از کا تھا۔ شریف لوگ تھے محض شرافت ہی ان کی فیماں تھی۔

ای اور ابا کے لیے یہ رشتہ کی نعمت غیر مترقبے کم نہ تھا۔ انہوں نے مرانسائے کو دیکھ کر ہاں کی توا در سے معلومات کرانے کے بعد فوراً ہاں کہہ دی گئی۔ مرانسائے کی خوشی کا بھی ٹھکانہ تھا۔

کئی دن بعد وہ دل سے خوش ہوئی تھی ورنہ جب سے کالج میں داخلہ لیا تھا ہادیہ جیسی لڑکوں کے مذاق کا نشانہ بنتے رہنے کے بعد اس کامل ہر چیز سے اچھات ہو گیا تھا۔ پیاپی اسی سے وہ کچھ اس لیے نہیں کہتی تھی کہ وہ اپنی بساط سے بڑھ کر اس کے لیے کر رہے تھے۔

شر کے اتنے منگے کالج میں اس نے داخلہ تو اپنی میراث پر لے لیا تھا مگر فیں تو بیا ہی ادا کرتے تھے اور وہ انہیں اچھا رزلٹ دیتا چاہتی تھی سو خاموش رہتی تھی، تاہم اپنی منگنی کی سادھ کی تقریب کے بعد جب وہ کالج آئی تو ہاتھوں اور پیروں پر لگی مندی نے لڑکوں کو اس کی طرف متوجہ کر دیا۔ جھستہ ہوئے اس نے اپنی زندگی کی اتنی بڑی خوشی کا اظہار کر دیا تھا۔ پھر کیا تھا

کلر سلیکشن دیکھ کر ہی رجیسٹ کر دیں گی۔ ایک تو تم گھٹیا کپنی کا کینوس تھی ہو۔ oreo کا لیا کرونا۔ ٹھیک ہے تھوڑا کوٹلی (منگا) پڑتا ہے مگر کوالٹی ورک بھی تو ملتا ہے۔

طنز اور استہزا سے بھرپور انداز میں اس کا بن مانگا تبصرہ بمعہ مشورہ حاضر تھا۔

مرانسائے احساس نہامت سے نظر نہ اٹھا سکی۔ ہادیہ کے اس ہٹک آمیز رویے کی وہ عادی تھی، البتہ نگار نے بولنا ضروری سمجھا۔

”میرا خیال ہے ہادیہ اگر تم اپنا کام کرو تو تمہارا کینوس جلدی مکمل ہو۔ غالباً“ دو ہفتے سے تم یہی کینوس بن رہی ہو۔ دوسروں کی فکر میں اپنا کام ادھورا چھوڑنا عقل مندی نہیں۔“

شرا ہوا الجہ طنز سے عاری تھا مگر ایک چبجن تھی اس میں، ہادیہ اپنے چڑھے ہوئے بارے کو بمشکل کٹھوں کرنی تھوت سے سر جھٹک ٹر آگے بڑھ گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی مرانسائے بول۔

”اف! تم کیوں بات کرنی ہو اس سے نگار! میں تو جواب ہی نہیں دیتی۔“

”اسی لیے تمہارے سرچڑھ گئی ہے۔ جتنا دلو، یہ دنیا اتنا ہی دباتی ہے۔“ نگار نے فوراً اسے ڈپٹا تھا، وہ محض آزدگی سے سر جھکا کر مسکرا دی۔

”میں نے کسی کو کیا دیا تھا ہے۔ ہادیہ تو بس بلا وجہ ہی میرے پیچھے بڑی رہتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ میرے پیا کی اتنی اتمم تھیں کہ میرے شوق پورے کر سکیں۔ بمشکل اپنی کی بچت سے اپنا شوق پورا کرتی ہوں اسی لیے طنز کرتی ہے۔“

”پتا نہیں اس کا نام کس نے ہادیہ رکھا ہے؟ اسے تو خود بدایت کی ضرورت ہے۔“ اسے افریدہ اور ملعول دیکھ کر نگار نے دانت میتے تھے۔

”بدترین مطابقت کی مثال یہ یہ بھی۔“ نگار کا انداز ہی کچھ ایسا تھا اسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔

♦ ♦ ♦  
وہ اسی طرح گزر رہے تھے بے کیف و بے مزہ۔

تابوپانے میں کامیاب ہو گئی۔ بیٹے کی پیدائش نے اسے اپر بھی چار چاند لگا دیئے۔ اب وہ خاصی پر اعتماد ہو چکی تھی۔

بھی بھی اسے بیتا ہوا وقت یاد آتا تو اپنی بزندگی دیا کر کے وہ حیران رہ جاتی تھی، اس روز بھی ڈرائیور اسے اسی کی طرف چھوڑنے آرما تھا کہ کانج کے قریب سے گزرتے ہوئے اسے بہت کچھ یاد آگیا۔ حس میں ہادیہ کاررویہ سرفہرست تھا۔ اور یہ شاید اس کی سوچ کا ہی عکس تھا اسے سرک کراس کرتی عورت ہادیہ کی۔ ملکاجا سا حلیہ اور بے ترتیب بیال۔ ایک لمحے کو تو اسے یقین ہی نہیں آیا۔ سُکنل ڈاؤن تھا۔ اس نے بغور دیکھا اور جب پہچانتا تو جیسے دھکے سے رہ گئی۔

واقعی وہ بے حد ملے کچھیلے کپڑوں والی ہادیہ ہی تھی۔ سُکنل کھلتے ہی ڈرائیور نے کار آگے بڑھانا چاہی تو اس نے روک دیا۔ ذہن میں جھکڑے چل رہے تھے وہ جو کانج میں سب سے زیاد خوش لباس مشہور تھی جس کا ایک ایک سوت و نین ہزار سے کم کا نہیں ہوتا تھا آج اس حال میں اس کے سامنے موجود تھی۔ وہ وہ نہ سکی۔

”ڈرائیور! اس عورت کو بلاو۔ بلکہ گاڑی میں لا کر بٹھاؤ۔“

”جی بیگم صاحب“ ”ڈرائیور یقیناً“ حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا مگر اس کی نظریں ہادیہ پر جمی تھیں جواب دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔

”جلدی کرو۔“ اسے رکتا دیکھ کر وہ بڑھی سے بولی تو ڈرائیور کو جانا ہی پڑا اور کچھ در بعد ہادیہ اس کے سامنے تھی۔ پل بھر کے لیے اس کی پلکیں ساکت ہی رہ گئیں۔

”ہادیہ! یہ تم ہو۔“ شناسائی کا کوئی جگنو اس کی بھی آنکھوں میں نہ چکتا تو اسے کہنا ہی پڑا، رد عمل کے طور پر ہادیہ نے آنکھیں چندھی کر کے اسے دیکھا تھا۔

”وہ تو یہ تم ہو مہراناءِ حیات۔“ گمراہی سانس بھرتے ہوئے ہادیہ نے کچھ ایسے بے تاثر لمحے میں اسے پکارا تھا کہ وہ حیران رہ گئی۔ شاید لا شعوری طور پر

ہر طرف سے تصور دکھانے اور ثہر دینے کا مطابق ہو گیا۔ وہ متمنکری ہو گئی ہادیہ نے اس کا چھوڑ پڑھ کربات بھانپلی تھی فوراً گولی۔

”میرے تصور تو خیر ہے چاری دکھادے گی مگر اس سے ثہر تو کم از کم مت مانگو، نجانے اس کے کنجوس پریرٹس نے کس طرح اس کی انگکی جمعٹ کی ہو گی۔ ثہر کے لیے تو وہ ایک روپیہ نہیں دیں گے اسے پونیغارم تک تو تین سال سے محترمہ نے بدلا نہیں سمجھیں ضرور کھلانیں گی ثہر۔“

ہادیہ کا استہزا یہ مذاق اڑاٹا انداز اور نخوت سے کہے گئے جملے نے اسے جیسے سن سا کر دیا تھا۔ اتنی ساری لڑکیوں میں کس بے دریوی اور سفاکی سے اس نے اس کی بے عزتی کر دالی تھی وہ تو سر تک نہ اٹھا سکی۔ البتہ لڑکیوں میں سے کچھ نے بے حد ناگواری سے ہادیہ کو دیکھا تھا۔

”بڑے افسوس کی بات ہے ہادیہ! تمہیں اتنی چوپ پات کرتے ہوئے شرم نہیں آئی۔“ نگار بھڑک انجھی تھی۔

”لگتا ہے تم جملس ہو گئی ہو۔“ کسی اور نے ہادیہ کو جھیڑ دیا تھا۔

جو بابا“ وہ ڈھنائی سے لڑپڑی تھی۔ مہراناء نے بمشکل آنسوؤں پر مضبوط کا پھرہ بھالیا تھا تیزی سے اٹھ کر کلاس سے نکل گئی نگار اس کے پیچے پیچے تھی۔ بت دلا ساریا تھا اس نے مگر مہراناء حیات کے آنسو نہ تھے۔ کئی دن تک وہ سرا اٹھا کر نہ چل سکی۔

بس پھر اس کے بعد سے اسے ہادیہ سے ازحد چڑھ گئی۔ اسے دیکھتی بھی تو منہ پھیرتی مگر اسے کمال فرق پڑتا تھا وہ اسی طرح ڈھنائی سے نہتی رہتی۔ پڑھائی کا وہ دور بہت تکلیف دھتا پھر بھی کانج چھوڑنے کا وقت آیا تو اس کے آنسو نکل آئے۔

♥ ♥ ♥

امتحانوں کے بعد اس کی شادی ہو گئی، اسے اچھے مزانج کا ساٹھی ہابت، ہواں کی محبت اور حوصلہ افزائی کا نیجہ تھا کہ حنف دو سالوں میں وہ اپنے کامپلکس پر

وہ ہادیہ کے شرمندہ ہونے یا پچان جانے سے انکاری ہونے کی منتظر تھی۔

”ہاں یہ میں ہوں۔ مرالنساء اسد، آؤ بیٹھو۔“ کارک دروازہ ہوتے ہوئے آپ ہی آپ اس کا لمحہ زمی میں ڈھل گیا تھا۔ یادوں کی تجھی اسی کی آواز کو خشونت اور رعنوت سے آراستہ نہ کر سکی تھی۔

ہادیہ نے ایک لمحے کے لیے اسے اسی بے تاثر انداز میں دیکھا تھا پھر بتا کچھ کے بینچے گئی اس کا اشارہ پا کر ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کر دی تھی۔ ہادیہ لا تعلق سی بینچی باہر کے منظر پر نظریں جمائے ہوئے تھی آخر کار سے ہی پکارتا پڑا۔

”ہادیہ تم! اس حال میں اور وہ بھی اس شدید گرمی میں پیدل چلتے ہوئے مجھے یقین نہیں آ رہا۔ آخر ایسا کیا ہو گیا۔ تمہارے وہ ٹھاٹ باث، وہ سب شان و شوکت؟“

تجسس اور بے چینی نے اسے بے تاب کیا تو وہ پوچھ بینچی تھی۔ جواباً ”ہادیہ نے اسے جن نظروں سے دیکھا، اس کی زبان و انتوں تلے دب گئی۔ اسے محوس ہوا، آج بھی برسوں بعد وہ ہادیہ کے سامنے وہی مرانسائے حیات ہے جو خوفزدہ ہو جاتی تھی۔

”کیا یہی سب پوچھنے کے لیے تم نے مجھے لفت دی ہے؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔ مرانسائے گڑ بڑا یہی گئی کچھ کہنا چاہا، ہی تھا کہ ہادیہ بے اختیار نہیں ہی تھی۔ اس کی ہی میں ایسی وحشت، ایسی ویراہی تھی کہ وہ دہل سی گئی۔ بشکلِ حلقت رکرتے ہوئے بولی۔

”مجھے لگتا ہے۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تمہیں گھر جانا چاہیے۔ کمال رہتی ہو تم۔“ جواباً اپڈریس بتانے کے بجائے ہادیہ نے اسے بغور دیکھنا شروع کر دیا تھا اور وہ کچھ پٹٹا سی گئی۔ فوری طور پر ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ ہادیہ کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے اور اس خیال نے اسے اور بھی سرامیمع کر دیا۔ ہادیہ اب تک نہیں رہی تھی۔ یکدم چپ ہو گئی۔

”فکر مت کرو۔ پاگل نہیں ہوں میں۔ بس اپنی اصلیت اور اپنی حقیقت کو مجھنے اور قبول کرنے کی

کوشش کر رہی ہوں۔“ اس کی آنکھیں رڑھلی تھیں اس نے، وہ ندامت سے پلکیں جھکنے لی۔ مارے خفت کے اسے الفاظ نہیں سوجھ رہے تھے۔ ”نہیں! ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل میں تو۔“ ”چلو رہنے بھی دو مرانسائے! میں لوگوں کو تم سے بہتر لکھ اور پڑھ سکتی ہوں۔ یادیہ کانج میں میں نے بارہا تمہارے چہرے کو پڑھ کر تمہیں تختہ مشق بنایا تھا۔“ کہتے ہوئے وہ خود ہی نہیں پڑی تھی ایک ملخ اور متاسف ہی نہیں تھی وہ۔ مرانسائے کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ ”جانبی ہو کیوں؟“ اچانک اس نے سوال داغ دیا تھا۔ وہ سبھلنے کی کوشش میں نظر جرا گئی۔ کیا کہتی کہ ہاں تمہیں سب حاصل تھا اس وقت سو تمہیں حق تھا کہ اپنے سے کم تر لوگوں کا مذاق اڑاؤ۔ ان پر نہیں۔ ”نہیں مرانسائے! تم کبھی سمجھ بھی نہیں سکتیں۔“ ایک بار پھر کار میں اس کی آواز گوئی تھی جو تیزی سے اس کے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ مرانسائے دھیرے سے رخ پھر کر اسے دھیان سے دیکھا۔ اس کے ملے چہرے برلا تعداد شکنیں پڑ چکی تھیں۔ آنکھوں کے گرد خلقہ سیاہ تھے چہرے سے صاف لگ رہا تھا، اسے کئی دنوں سے دھویا میں گیانہ ہی دانتوں کو ٹوٹھ پیٹ کا زان لئے چکھایا گیا ہے۔ یہی حال بس اور چلوں کا تھا۔

”تمہیں یاد ہے،“ مسز زمان ہوتی تھیں ہماری ایک ٹیچر۔ اسے اپنا جائزہ لیتا دیکھ کر بھی ہادیہ بغیر کسی جھگڑ اور شرم کے بینچی تھی کھوئے کھوئے لجے میں بولی تو اس کی آنکھوں میں مسز زمان کا سریا اتر آیا۔ ایک مدجم سی مکراہب اس کے لبوں کو چھو گئی تھی بے ساخت بولی۔

”ہاں۔ انہیں کون بھول سکتا ہے مجھے تو آج بھی ان کے لیکھر کا ایک ایک لفظ ازیر ہے۔“

”ہاں۔ واقعی ان کا ایک ایک لفظ ازیر ہونے والا بھی تھا۔“ گری سائنس پھر کروہ یونا شریوع ہو گئی تھی مرانسائے نے دیکھا اب وہ خود میں گم ہو چکی تھی۔

”بہت سچ کہا تھا انہوں نے کہ کبھی بھی حالات

گئی و کہ اس کے چہرے سے متربع تھا کہنے کے لیے اس کے پاس الفاظ نہیں تھے مخفی خاموش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس نے ہادیہ کا کندھا پختہ تھا۔ اس کیا تھیں جو کچھ تمہاری ساتھ ہوا بیوی مجھے اس کا بے حد دکھ ہے۔ ”وہ خلوص سے کہہ رہی تھی۔

ہادیہ ایک بار پھر بے ہنگم انداز میں بسی پڑی۔ ”تم کیا کہ محسوس کرو گی مہراناء کہ تم نے وہ درد برداشت ہی نہیں کیا جو میں نے سیا ہے۔ اپنی ذات سے باہر نکل کر میں اتنی دور چل گئی تھی کہ اب واپس کی امید نہیں رہی تھی میرے اس ملکے جیلے پر ترس کھا رہی ہو، مگر یقین کرو یہ جسم تو مخفی خالی ذبے کی طرح رہ گیا۔ وہ ایک ذات جو میرے اندر تھی لوٹ کر واپس ہی نہیں آئی۔ اب اس خالی خولی وجود کا میں کیا کروں گی۔“

”مگر زندگی اس طرح تو نہیں گزرتی ہادیہ۔ تمہیں خود کو زندگی کی طرف لانا ہی ہو گا۔“ ہادیہ کاظمیہ انداز اسے نادم کر گیا تھا مگر اس نے ہمت نہیں ہاری۔ ولداری سے بولی۔ جس پر ہادیہ نے اسے بڑی تھکی چھکی نظروں سے دیکھا تھا لمحے بھر میں اس کے ویران چہرے پر تاسف کے سائے اتر آئے۔

”مجھے اب زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں رہا مہراناء! بلکہ میں نے خود کو عبرت کا جلتا ہوا نشان بنا لیا ہے۔ میں لوگوں کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ وہ مجھے جیسی لڑکی سے سبق سیکھیں اور مجھیں کہ زندگی گزارنے کا اصل وصف اصل جو ہر قناعت ہے۔ دولت تو اب مجھے چھن چکی سواب مجھے کتنا بھی مل جائے میری ہوں یوری ہونے والی نہیں۔ یہ ہاتھ ہمیشہ یوں ہی رہیں گے۔“ اس نے ہتھیلیاں سامنے کی طرف پھیلائی تھیں پھر کیدم وہ قسم سے لگانے لگی تھی۔

مہراناء نے دل کر ڈرائیور کو کار روکنے کے لیے کہا کہ ہادیہ نے تیزی سے دروازہ کھول لیا تھا اور اس سے پہلے کہ کار رکتی ہادیہ باہر کی طرف چھلانگ لگا چکی تھی۔

انسان کی خواہشات کے خلاف ہوتے ہیں اور جب وہ اپنے حالات کو شکست نہیں دے ساتھ تو اپنے ارد گرد ایک تصوراتی دنیا ایک۔ ایجھری ورلد بیلیتا ہے۔ میں نے بھی اسے ہی ایک دنیا بسالی تھی جس میں میں ایک امیر ایک خوشحال گمرا نے کی لڑکی تھی۔ پھر فطری طور پر میں ایسے ہی ماحول کی طرف چھننے لگی جو میری تصوراتی دنیا سے میل کھاتا تھا۔ ہماری پر پل میری رشت دار نہیں تھیں بلکہ میرا باب ان کا شوفرقہ۔ اس کانج میں میں نے اپنی ذہانت کے بل بوتے پر داخلہ لیا تھا۔ پر پل کی بیٹی کے پرپول نے ہمیشہ میری لاج رکھی۔ میں اپنے ابا کی اکلوتی بیٹی تھی اس نے میری خواہش پر مجھے ہر وہ چیز دلائی جو مجھے اور لڑکوں پر سے ممتاز کرتی تھی۔ پر پل صاحبہ بھی اچھی عورت تھیں وہ اپنی بیٹی کی ہر چیز کپڑے جو تے اور کاسمنیک جو کہ وہ ایک بار استعمال کر کے رجیکٹ کر دیتی تھی مجھے دیے دیا کرتیں۔ ساتھ ہی میں ٹیوشنز و غیرہ بھی پڑھاتی تھی پر پل صاحبہ کا گھر ایک پوش اپرپے میں تھا ٹیوشن سے مجھے ٹھیک ٹھاک آمدی ہو جاتی تھی۔ ایک امیر گھر کے ٹھاٹ باث نے مجھے اور بھی خود سرہنا دیا۔ شہابانہ لباس اور دیگر منگی چیزوں کے استعمال نے مجھے بھلا کی دیا کہ میں کیا ہوں میری اوقات کیا ہے۔“

وہ کہہ رہی تھی اور مہراناء جیسے دم سایہ سے سن رہی تھی وہ کیا بھتی تھی اسے اور وہ کیا تھی۔

”وقت یوں ہی گزرتا رہا۔ اپر کلاس میں شامل ہونے میں نے ہر طرح کی اچھائی برائی اپنائی مگریہ بھول گئی کہ مطالبت کی اس کوشش میں اپنی اصلی ذات بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ مجھے احساس ہی نہ ہو سکا اور جب وہ وقفہ خواب ختم ہوا تو میں حقیقت اور الوژن کے درمیان متعلق سی ہوئی دو سال پلے ابا کے انتقال کے بعد پر پل صاحبہ بھی چل بیسیں اور میں ایک بار پھر بے نام و نشان ہو گئی۔ اب بھی یقین نہیں آتا کہ وہ سب خواب تھا یا سب وہ مہ۔“

ہادیہ کے ویران چہرے پر بھتی بھتی بے رونق آنکھیں مہراناء کے اندر جذبہ ترجم کی شمعیں جلا